تعلیم وتربیت:

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی

خانقاہی مدارس میں نظام ونصاب تعلیم

عہد وسطیٰ کے ہندوستان کا ایک تاریخی جائزہ

اللہ نے قرآن مجید میں قلم کی قسم کھائی ہے۔ اسلام نے ہر مسلم مرد وعورت کے لئے حصول علم ضروری قرار دیا ہے رسول اللہؐ کی علم سے متعلق کثیر تعداد میں احادیث موجود ہیں۔ گہوارہ سے لیکر قبر تک علم حاصل کرو، علماء کے دوات کی سیاہی شہداء کے خون سے افضل ہے۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ حضرت علیؑ کا قول ہے ''جس نے مجھے ایک لفظ سکھایا' اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا۔ نہج البلاغہ علم کا ایک اہم ذخیرہ ہے۔ مولا علیؑ فرماتے ہیں'' انبیاء سے زیادہ خصوصیت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو ان کی لائی ہوئی چیزوں کا زیادہ علم رکھتے ہوں''[1] پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ابراہیم سے زیادہ خصوصیت ان لوگوں کو تھی جو ان کے فرمانبردار تھے اور اب اس نبی اور ایمان لانے والوں کو خصوصیت ہے۔ پھر فرماتے ہیں جو لوگوں کا پیشوا بنتا ہے تو اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینا چاہئے اور زبان سے درس اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت وکردار سے تعلیم دینا چاہئے اور جو اپنے نفس کی تعلیم وتادیب کرے وہ دوسروں کی تعلیم وتادیب کرنے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔ پھر اپنے بیٹے حضرت حسنؑ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں'' چونکہ مجھے تمہاری (حسنؑ) ہر بات کا اتنا ہی خیال ہے جتنا کہ ایک شفیق باپ کو ہونا چاہئے اور تمہاری اخلاقی تربیت بھی

پیش نظر ہے لہذا مناسب سمجھا کہ یہ تعلیم وتربیت اس حالت میں ہو کہ تم نوعمر اور بساط دہر پر تازہ وارد ہو اور تمہاری نیت کوئی اور نفس پاکیزہ ہے اور میں نے چاہا تھا کہ پہلے کتاب خدا' احکام شرع اور حلال وحرام کی تعلیم دوں اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا رخ نہ کروں لیکن اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چیزیں جن میں لوگوں کے عقائد اور مذہبی خیالات میں اختلاف ہے تم پر اسی طرح مشتبہ نہ ہوجائیں جیسے ان پر مشتبہ ہوگئی تھیں باوجودیکہ ان غلط عقائد کا تذکرہ تم سے بھی مجھے ناپسند تھا مگر اس پہلو کو مضبوط کردینا تمہارے لئے مجھے بہتر معلوم ہوا۔''[۷] یہ تھا طریقہ تعلیم جس کی طرف مولا علیؑ نے اشارہ کیا۔ پھر تاریخ کی اہمیت کو ان الفاظ میں واضح فرماتے ہیں ''گذرے ہوئے لوگوں کے واقعات سامنے رکھنا۔ تمہارے پہلے کے لوگوں پر جو بیتی ہے اسے یاد دلانا۔ ان کے گھروں اور کھنڈروں میں چلنا پھرنا اور دیکھنا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے اگرچہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھی۔ پھر میں نے ان کی کارگزاریوں کو دیکھا ان کے حالات و واقعات میں غور کیا اور انکے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیروسیاحت کی، یہاں تک کہ گویا میں انھیں میں سے ایک ہوچکا ہوں۔ بلکہ ان کے سب حالات ومعلومات جو مجھ تک پہونچ چکے ہیں ان کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے ان کے اول سے لیکر آخر تک انکے ساتھ زندگی گزاری ہے۔''[۸]

مولا علیؑ کے یہ تمام ارشادات علم کی اہمیت، تعلیم وتربیت کا طریقہ تاریخ کے مطالعہ کی اہمیت کی واضح طور پر عکاسی کرتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے ایسے تعلیمی نظام کی بنیاد ڈالی جو سب کے لئے تھا۔ اس سے پہلے دنیا کے دوسرے مذاہب نے جو نظام تعلیم قائم کیا تھا وہ کچھ طبقات تک محدود تھا۔ لیکن اسلامی تعلیمی نظام کی وسعت کا خاتمہ ۶۶۱ء میں قیام ملوکیت پر ہوگیا۔ جس کے بانی

معاویہ تھے۔ بنی امیہ کی حکومت کا دارومدار ہی عصبیت پر تھا۔ لہذا اب تعلیم کے دروازے غیر عرب اور نئے مسلمانوں کے لئے بند کردیے گئے اسلام تو علم کی روشنی میں یقین رکھتا ہے جہالت کے اندھیروں میں نہیں ۔لیکن حکمراں بنی امیہ بنی عباسیہ سلاطین اور بادشاہوں نے مسلمانوں کی بڑی اکثریت کو تعلیم کے حق سے ایک سازش کے تحت محروم کردیا ملوکیت کے قیام کے بعد تصوف نے تحریک کی شکل اختیار کی اور صوفیا نے علم کی روشنی کو عام کرنے کے لئے اپنی خانقاہوں میں مدارس قائم کئے جس کے دروازے سب کے لئے کھلے رکھے اور اس طرح صوفیا نے تعلیم کے میدان میں این جی او یعنی غیر سرکاری تنظیم کا کام برائے اصلاح سماج اور تعلیم کی روشنی کو پھیلانے کا کارنامہ انجام دیا جبکہ لوگ اس زمانہ میں اس سمجھ اور فکر سے قطعی واقف نہ تھے۔ اس لئے کہ سرکاری امداد اور علماء کے قائم کردہ مدارس میں تعلیم سماج کے اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو دی جاتی تھی۔

جب یہ صوفیاء ہندوستان آئے تو یہاں دو طرح کے مدارس تھے ایک سرکاری مدارس اور دوسرے علماء کے قائم کردہ مدارس۔شروع کے دور میں حوض شمسی ایک بڑا علمی مرکز بن کر ابھرا۔ پھر مدرسہ معزی، ناصریہ، علائی اور حوض خاص وجود میں آئے ۔صوفیا نے ہندوستان میں خانقاہی مدارس کی بنیاد ڈالی۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ سرکاری اور علماء کے قائم کردہ مدارس کا نصاب ان کی اپنی فکر کے مطابق تھا اور صوفیا اس نصاب سے پوری طرح اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ پھر علماء کے قائم کردہ مدارس میں سماج کے اعلیٰ طبقات سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو تعلیم دی جاتی تھی اس کے برعکس خانقاہی مدارس میں رنگ ونسل نقر وامارت، ترک وغیر ترک یا ہندوستانی مسلمان یا ایرانی مسلمان میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہ تھی۔ امیر خسرو کیونکہ ہندوستانی مسلمان تھے لہذا انہوں نے

اپنا تعلق خانقاہی زندگی سے رکھا تا کہ ہندوستانی مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعصب نہ برتا جائے۔ اس لئے کہ سلطان التمش اور بلبن کی یہ پوری کوشش رہی کہ کوئی عہدہ کسی ہندوستانی مسلمان کو نہ ملے۔ ۴ خانقاہی مدارس میں زیادہ توجہ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور تصوف پر تھی لیکن سرکاری مدارس میں زیادہ توجہ فقہ پر رہتی اور تصوف پر کچھ بھی نہیں۔ صوفیا اپنے خاص مریدوں کو عوارف المعارف کا درس دیتے لیکن عوارف المعارف صرف انہیں شاگردوں کو پڑھاتے ہیں جسمیں یہ صلاحیت دیکھتے کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کسی قصبہ میں خانقاہی نظام کو قائم کرسکیں گے۔ صوفیاء تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی اتنا ہی دھیان دیتے۔ ایک مرتبہ شیخ فرید الدین اپنے مریدوں کو عوارف المعارف پڑھا رہے تھے لیکن جس نسخہ سے وہ پڑھا رہے تھے وہ درست نہ تھا لہٰذا ساتھ ساتھ اصلاح بھی کرتے جارہے تھے شیخ نظام الدین اولیاء بھی اس درس میں شامل تھے انہوں نے کہہ دیا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس بہتر نسخہ ہے۔ اس پر شیخ فرید نے کہا کہ کیا اس درویش میں اس غیر تصحیح شدہ نسخہ سے پڑھانے کی صلاحیت نہیں ہے اور غصہ سے شیخ نظام الدین کو دیکھا۔ اب تو شیخ نظام الدین کی حالت خراب ہوگئی پھر شیخ فرید کے صاحبزادے کے ذریعہ معافی ہوئی۔ ۵ در اصل وہ اس خراب نسخہ سے اس لئے پڑھا رہے تھے تا کہ بہتر طریقے سے سمجھا سکیں۔ اور شاگردوں کی تربیت ہوسکے کہ غیر تصحیح شدہ نسخہ کو کس طرح پڑھا جاتا ہے۔ جہاں تک کتابیات کا تعلق تھا تو اس میں صوفیا کی اپنی پسند سمجھ وفکر کو بھی کافی حد تک دخل تھا۔ مثال کے طور پر شیخ بہاء الدین زکریا زنتشری کی کشاف کو نہیں پڑھاتے تھے اس کے برعکس شیخ حمید الدین ناگوری کشاف کے بڑے مداح تھے۔ اور باقاعدہ طور پر اپنے شاگردوں کو پڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا رضی الدین حسن ناگور گئے تو وہاں ایک شخص نے انہیں تصوف پر

درس دیئے کو کہا تو انہوں نے یہ کہہ کر معافی مانگ لی کہ آج کل میں ناکور میں حدیث کا درس دے رہا ہوں۔ اگر تم تصوف پر درس لینا چاہتے ہو تو جب میں یہاں سے چلوں تو تم میرے ساتھ چلو دوران سفر، میں تمہیں تصوف پر درس دیتا رہوں گا۔[6] دوسری کتابیں جو خانقاہی مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں ان میں روح الارواح، قلب القلوب، عوارف المعارف، مرصاد العباد، مکتوبات سلوک مریدین، احیاء العلوم الدین، اربعین، کیمیای سعادت، کشف المحجوب، اخبار نیرین، رسالہ قشیری، لوامع، خمسہ نظامی وغیرہ۔ دہلی میں اس دور میں ان کتابوں کی بڑی مانگ تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء جب دہلی میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اجودھن گئے تو اس کے کچھ عرصے بعد ان کے دوست کا بھی اجودھن جانا ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ شیخ نظام الدین پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ آپ جیسا عالم یہاں کیا کر رہا ہے۔ آپ جیسے عالم کی ضرورت تو دہلی جیسے شہر میں ہے جہاں آپ کی علمیت کی بھی شہرت ہوگی اور مالی منفعت بھی۔[7] شیخ نظام الدین کو مشارق الانوار پر زبردست عبور تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کے شاگرد مولانا شمس الدین یحیٰی نے مشارق الانوار کی تفسیر لکھ دی۔ شیخ نظام الدین کی رائے اربعین کے بارے میں بہتر نہ تھی اور وہ احادیث پر صحیحین کو پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔[8] اس لئے کہ مولا علیؑ کا قول ہے کہ جب کوئی حدیث سنو تو اسے عقل کے معیار پر پرکھو صرف نقل الفاظ پر بس مت کرو اس لئے کہ علم کے نقل کرنے والے بہت ہیں اور اس میں غور کرنے والے بہت کم ہیں۔ جب غیاث الدین تغلق (۲۵-۱۳۲۰ء) نے قلعہ تغلق آباد میں سماع کے موضوع پر بحث ومباحثہ رکھا اس میں حضرت نظام الدین اولیاء کو بلایا۔ اس محضر میں دہلی کے تمام جید علماء مدعو تھے۔ بحث کی ابتداء مولانا حسام الدین نے سماع کی رد میں شروع کی۔ بقول برنی حضرت نظام الدین اولیاء نے چند احادیث کا حوالہ دیا تو

بعض علما نے جواباً کہا کہ ہمارے شہر میں روایت فقہ، حدیث پر مقدم ہے ہم ایسی حدیثیں ہرگز نہیں سنیں گے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے کہا کہ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ اس کے سامنے حضرت محمدؐ کی صحیح حدیث روایت کی جائیں اور وہ کہے کہ میں سنتا نہیں۔[۹] خانقاہی مدارس میں تربیت پر بھی بڑی سخت توجہ دی جاتی تھی تاکہ وہ شخص تمام تعصّبات سے اوپر اٹھ کر تعلیم کی تکمیل کے بعد عالم باعمل بن کر نکلے۔ کیونکہ خانقاہی مدارس سماج کے تمام طبقات کے لئے کھلے تھے اس لئے یہ مدارس ایک تجربہ گاہ بھی تھے اور جو تجربہ اساتذہ اور طلباء کو یہاں ہوتا تھا وہ سرکاری مدارس میں نہ تھا۔ جیسے میرے مورث اعلیٰ میر سید علی ہمدانی نے جب کشمیر میں اپنی خانقاہ قائم کی تو وہاں کی یوگی للہ دید بھی آئیں اور مختلف مسائل پر بات کرنے کے بعد انہوں نے بھی مورتی پوجا اور ہندو سماج کے طبقاتی نظام کی مخالفت شروع کی۔ اس طرح کے تجربات علماء کے قائم کردہ مدارس میں ممکن نہ تھے۔ دوسرے علماء شہری ثقافت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کے مدارس سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں تھے۔ اس کے برعکس صوفیاء شہر اور قصبات میں کوئی تفریق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ قصبات و دیہات ان کی توجہ خاص کا مرکز ہوتے۔ انہوں نے سلطنت کو اپنی ولایت میں تقسیم کیا اور تمام قصبات میں اپنے خلیفہ بھیجے۔ ان صوفیا نے ان قصبات میں اسلام کی تبلیغ کی، مدارس قائم کئے اور اصلاح سماج کا کام انجام دیا بعض صوفیاء کو ان جگہوں پر جام شہادت بھی نوش کرنا پڑا۔ علماء نے اپنے آپ کو ایسے خطرات سے دور رکھا لیکن ان صوفیاء نے ان قصبات کا ڈھانچہ ہی بدل ڈالا اور ایک اہم تبدیلی ان خانقاہوں کے قیام کے بعد دیکھنے میں آئی۔ محمد بن تغلق (۱۳۲۵-۵۱) کے عہد میں ان مسلمانوں کو سرکاری عہدے ملے جن کا تعلق مسلم سماج کے نچلے طبقات سے تھا۔ علماء نے تو اپنے مدارس کے دروازے ان کے لئے بند کر رکھے تھے تو

پھر ان کی تعلیم کہاں ہوئی۔ ان مسلمانوں کی تعلیم وتربیت خانقاہی مدارس میں ہوئی۔ کل ہم نے دیکھا کہ جب بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت نے نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کے ذریعہ اپنی ہندوتو سمجھ کو تاریخ ہندوستان کا حصہ بنا پاتا کہ ان کتابوں کو ہندوستان کے بچوں کو پڑھایا جائے اور ہندوتو کی سمجھ ہندوستانی سماج وثقافت کا حصہ بن سکے تو اس کی بڑی مخالفت ہوئی لیکن ہمارے پاس کوئی متبادل حل نہ تھا۔ اس لئے کہ اسکولی تعلیم پر پورا کنٹرول سرکار کا ہے۔ لیکن یہ مشکل صوفیاء کو تیرہویں صدی عیسوی سے لیکر پندرھویں صدی تک پیش نہیں آئی اس لئے کہ ان کے اپنے مدارس تھے۔ ان کا اپنا نصاب تھا اور سرکاری مدارس تو شہروں تک محدود تھے جبکہ صوفیا کے مدارس تو قصبات تک پہونچ چکے تھے لہذا خانقاہی تعلیمی نظام پورے شمالی ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔ شمالی ہندوستان کے قصبات مثلاً امروہہ، جلالی، سرسی، سنبھل وغیرہ صوفیا کی وجہ سے علمی مراکز بن کر ابھرے۔ کشمیر پنجاب، گجرات، راجستھان بنگال، بہار اور آسام میں صوفیا نے اپنی خانقاہیں قائم کرکے ایک انقلابی کیفیت پیدا کردی۔

لیکن چاہے وہ سرکاری مدارس، علماء کے قائم کردہ یا خانقاہی مدارس ہوں ان کے نصاب میں علوم معقولات برائے نام شامل تھے علمائے معقولین مثلاً ابن سینا اور دوسرے مسلم مفکرین کی کتابیں ان کے نصاب میں شامل نہ تھیں۔ بقول برنی، محمود غزنوی نے کہا تھا کہ ''اگر ابن سینا اسکی سلطنت میں آجائے تو اس کی بوٹی بوٹی علحدہ کرادوں''۔[۱] سید مبارک غزنوی نے التمش سے کہا تھا کہ ''تمام فلسفیوں کو دہلی سلطنت کی حدود سے باہر نکال دیا جائے اور ان کی کتابوں کا مطالعہ نہ کیا جائے[۱۱]''۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے کہا تھا کہ ان علمائے معقولین کو کس طرح سمجھایا جائے کہ بس ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے قبر۔[۱۲] اب نہ جانے کیوں علماء ومشائخ اسکورٹس ہارٹ انسٹی ٹیوٹ، اپولو اور آل

انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس میں قبر کو دور رکھنے کے لئے بائی پاس سرجری کیوں کراتے ہیں اس کی بنیاد بھی تو ابن سینا نے ہی ادویہ قلبیہ لکھ کر ڈالی تھی۔ حد یہ ہوئی کہ فخر الدین رازی نے ابن سینا کی کتابوں کے جواب میں تنقیدی تبصرہ کیا تھا تو بقول شیخ حمید الدین ناگوری مولانا شمس الدین حلوائی نے فخر الدین رازی کی کتابوں کے مطالعہ کی بھی ممانعت کردی تھی۔ در اصل تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی کے ہندوستان کے علماء ومشائخ تقلیدی ذہن پیدا کررہے تھے۔ علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶) کے عہد میں علماء کا اثر کم ہوا تب کہیں جا کر ایک حوالہ ملتا ہے کہ حکیم بدر الدین دمشقی دہلی میں ابن سینا کی کتاب القانون پر درس دیا کرتے تھے۔

۱۳۲۵ء کے بعد سلطنت میں تبدیلیاں آنا شروع ہوئیں اب حضرت نظام الدین اولیاء کا انتقال ہوچکا تھا اور شیخ نصیر الدین چشتی سلسلے کے خلیفہ تھے اور محمد بن تغلق دہلی سلطنت کا سلطان بنا۔ وہ ایک عالم شخص تھا۔ اس کو علوم معقولات میں نہ صرف دلچسپی تھی بلکہ اس کو عبور حاصل تھا جس کی وجہ سے تقلید وتوارث سے متاثر مسلم معاشرے نے اس کے خیالات وفکر کو قبول کرنے سے انکار کردیا اسکی فکر فلسفیانہ جستجو کے زیر سایہ پروان چڑھی تھی۔ اسکے حلقہ میں علمائے معقولین میں مولانا علیم الدین، ملک سعد الدین اور نجم المختار جیسے مشہور فلاسفہ شامل تھے محمد بن تغلق نے زر کثیر خرچ کرکے مسلم دنیا میں ہونے والی علوم معقولات کی کتابوں کو ہندوستان منگوالیا تھا تاکہ وہ اور دوسرے علماء انکا مطالعہ کریں۔ یہ وہ وقت ہے جب نصیر الدین طوسی کی کتابیں بھی ہندوستان پہونچ چکی تھیں برنی لکھتا ہے" معقولات فلاسفہ نے جو سیاہ قلبی اور سنگ دلی کی بنیاد ہیں اس کے دل میں جڑ پکڑلی ہے۔[۱۳] یہ ہے چودھویں صدی عیسوی کے ایک عالم کی رائے محمد بن تغلق کے بارے میں۔

بقول حضرت سید محمد گیسودراز'' سلطان محمد کہا کرتا تھا کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی نے کیا کیا ہے جو ہم نہیں کرسکتے ہے؟[۱۴] دراصل یہی محور تھا محمد بن تغلق کی فکر کا۔ یہ بات سنی وشیعہ علماء میں یکساں ہے۔ وہ ان اہل بیت اور صحابہ کی عملی زندگی کو صرف منبر سے اپنی تقریر کی زینت بنانا چاہتے ہیں مثلاً حضرت ابوبکر نے انتقال سے قبل اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جو تنخواہ انہیں بیت المال سے ملی ہے وہ اس رقم کو واپس کردیں[۱۵]۔ ہمارا تنخواہ واپس کرنا تو درکنار ہم کام بھی صحیح طریقے سے انجام نہیں دیتے تاکہ ہماری وہ تنخواہ حلال روزی کا حصہ ہو جائے۔ حضرت علی مزدوری کرتے تھے لیکن ہم کو مزدوری سے عار ہے۔ حضرت علی جو کی روٹی کھاتے تھے لیکن کوئی شخص یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ سوئم یا چالیسویں کی مجلس کے بعد عمدۃ الواعظین اور دوسرے مومنین کو کھانے میں جو کی روٹی پیش کردے۔ نہیں اب نان، قورمہ اور بریانی چاہیئے۔ بقول مولا علی'' وہ علم بے قدر وقیمت ہے جو زبان تک رہ جائے مولا علی فرماتے ہیں جو لوگوں کا پیشوا بنتا ہے اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینا چاہئے اور زبان سے درس اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت وکردار سے تعلیم دینا چاہئے۔[۱۶] اسی لئے محمد بن تغلق کی بات بری لگتی تھی'' کہ جو ہم نہیں کرسکتے'' مولا علی واقف تھے اپنے دور میں بھی دیکھ رہے تھے اور اکیسویں صدی پر بھی ان کی نظر تھی اسی لئے آپ نے کہا'' دیکھو تمہارے امام کی حالت تو یہ ہے کہ اس نے دنیا کے سازوسامان میں سے دو پھٹی پرانی چادروں اور کھانے میں دو روٹیوں پر قناعت کرلی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ بات تمہارے بس کی نہیں ہے لیکن اتنا تو کرو کہ پرہیزگاری، سعی وکوشش پاکدامنی اور سلامت روی میں میرا ساتھ دو''۔[۱۷]

اس طرح سے محمد بن تغلق کی سمجھ وفکر علماء ومشائخ سے مختلف تھی۔ پروفیسر خلیق

احمد نظامی کی رائے ہے کہ "محمد بن تغلق غالباً انہیں حالات سے متاثر ہوا تھا۔ اس نے صوفیاء کے تصور ولایت کے خاتمہ اور خانقاہی نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے اپنے دور میں جو کوششیں کیں وہ امام ابن تیمیہ کی تحریک اور تصورات سے بہت مشابہت رکھتی تھیں" میں اپنے استاد محترم کی رائے سے اسلئے متفق نہیں کہ محمد بن تغلق اپنی زندگی کے ہر دور میں صوفیاء کے قریب رہا۔ اس کو حضرت نظام الدین اولیاء سے عقیدت تھی۔ اس نے صوفیاء کے لئے خانقاہیں اور ان کے انتقال کے بعد مقبرے تعمیر کرائے اس کو شیخ شرف الدین یحیٰ منیری اور شیخ شرف الدین پانی پتی سے بڑی عقیدت تھی۔۱۸ اگر وہ صوفیاء کا مخالف ہوتا تو صوفیاء کو دیوگیر نہ بھیجتا تا کہ خانقاہی نظام دکن نہ پہونچتا۔ آج دکن میں صوفیا کا جو اثر ہے وہ بھی محمد بن تغلق ہی کے پلان کا نتیجہ ہے وہ تو دیوگیر میں صوفیا کے تعاون کا خواہاں تھا۔

محمد بن تغلق کیونکہ ایک عالم تھا اس لئے اس نے سوچا کہ شمالی ہندوستان میں اسلامی ثقافتی زندگی کی جڑیں کافی مضبوط ہوچکی ہیں لیکن جنوبی ہندوستان ابھی بھی اس کی توجہ کا طالب ہے۔ جنوب میں صرف فوجی چھاؤنیاں تھیں اور ان امراء اور فوجی سپاہیوں کا، قلعوں میں زندگی گذار رہے تھے، تعلق عوام سے نہ تھا مثال کے طور پر بلبن نے جلالی میں قلعہ تعمیر کرایا جبکہ جلالی اس وقت تک اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز نہ بن سکا جب تک کہ شاہ ہمدان کے پوتے میر کمال الدین ہمدانی نے جلالی کو کبرویہ سلسلہ کا مرکز نہ بنایا۔۱۹ لہٰذا محمد بن تغلق نے چودھویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں لاشمال ولاجنوب کا نعرہ دیا۔ لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اسے علماء ومشائخ کی مدد درکار تھی۔ بغیر ان کے تعاون کے وہ اپنے اس پروگرام کو کامیاب نہیں بنا سکتا تھا۔ شمالی ہندوستان میں بھی یہ کام صوفیاء نے ہی انجام دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ یہی علماء ومشائخ

سمرقند، بخارا، ہمدان شوشتر و دمشق سے ہندوستان آئے اور ہندوستان کے مختلف قصبات میں اپنی خانقاہیں قائم کیں۔ دہلی میں ان علماء و مشائخ کو آباد ہوئے زیادہ سے زیادہ ایک سو ستر سال ہوئے تھے۔ اب دیوگیر جانے کا مسئلہ تھا۔ محمد بن تغلق نے دیوگیر میں مساجد، خانقاہیں اور مکانات تعمیر کرائے تا کہ علماء وصوفیا اطمینان سے وہاں رہ سکیں۔ اسی لئے محمد بن تغلق نے مولانا شمس الدین یحیٰ سے کہا تھا کہ "تجھ جیسا عالم دہلی میں کیا کر رہا ہے تو کشمیر جا اور اسی دیار کے بت خانوں میں بیٹھ اور خلق خدا کو اسلام کی دعوت دے" ۲؎ محمد بن تغلق کو کشمیر کے سماجی حالات کا علم تھا اور اسلام کی تبلیغ کا خیال تھا یہ کام چشتی صوفیاء تو نہ کر سکے لیکن میر سید علی ہمدانی چودھویں صدی کے آخر میں ہمدان سے کشمیر آئے اور اسلام کی تبلیغ کشمیر میں کی اور بہت کم عرصے میں کشمیر کا مذہبی وسماجی ڈھانچہ ہی بدل ڈالا۔ علماء وصوفیا نے ۱۳۲ء میں دیوگیر گئے۔ لیکن بادل ناخواستہ۔ برنی عصامی اور ابن بطوطہ محمد بن تغلق کے پلان کے بڑے شاکی ہیں۔ معاصرین اور جدید مورخین عہد وسطیٰ نے تو محمد بن تغلق کے اس پلان کو تبدیلی دار السلطنت قرار دے کر اس کے لئے فرد جرم قرار دے ڈالا۔ اور آج اکیسویں صدی میں بھی زیادہ تر اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ محمد بن تغلق کے اس پلان کو تبدیلی دار السلطنت ہی پڑھا رہے ہیں اور اس طرح یہ غلط سمجھ ہی طلباء وطالبات تک پہونچ رہی ہے۔ برنی اور ابن بطوطہ جو لکھ رہے ہیں کہ پوری دلّی خالی ہوگئی لیکن خود اسی دلی میں ہی رہتے رہے۔

آج جنوب میں جو اسلام، مسلم تہذیب وثقافت دیکھنے کو ملتی ہے وہ محمد بن تغلق ہی کے اس پلان کا نتیجہ ہے۔ صوفیاء نے دکن میں مدارس قائم کئے اور تعلیم وترقی کی تحریک شروع ہوئی۔ آج جو گلبرگہ میں ہمیں میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج دیکھنے کو مل رہے ہیں یہ افتخار اجمیر یا دہلی کو حاصل نہ ہو سکا۔ گلبرگہ کی درگاہ کے سجادہ نشین جناب

سید شاہ محمد محمد الحسینی کے تعلیمی کارناموں سے متاثر ہوکر حکومت ہند نے صدر جمہوریہ ہند کے دست مبارک سے ۳۰ / جون ۲۰۰۴ء کو پدم شری کے اعزاز سے نوازا۔ وہ گلبرگہ سے اس اعزاز کو حاصل کرنے دہلی آئے ۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ سب محمد بن تغلق کے اس وژن کا نتیجہ ہے جس کا خواب اس نے چودھویں صدی عیسوی میں دیکھا تھا میں نے یہ مضمون اس دعوت نامہ کے نتیجے میں لکھا ہے جو خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے جناب سید شاہ محمد الحسینی کے پدم شری کے اعزاز سے نوازے جانے کے سلسلے میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ بدقسمتی سے اس دعوت میں تو شریک نہ ہوسکا لیکن یہ مضمون لکھ دیا۔ اپنی بات ضیاء الدین برنی کے اس قول پر ختم کروں گا ۔ ''دیوگیر جو کفرستان تھا۔ اسکے چاروں طرف مسلمانوں کے قبرستان بن گئے ۔''[۴] میری سمجھ کے مطابق یہی قبرستان دیوگیر کیا پورے جنوبی ہندوستان کو مسلم تہذیب وثقافت کے خیابان میں تبدیل ہونے کا ذریعہ بنے۔

حوالے:

۱۔نہج البلاغہ۔مترجم جعفر حسین بمبئی، ۱۹۸۸، صفحہ ۸۳۲

۲۔نہج البلاغہ۔مترجم جعفر حسین بمبئی، ۱۹۸۸، صفحہ ۶۹۴

۳۔نہج البلاغہ۔مترجم جعفر حسین بمبئی، ۱۹۸۸، صفحہ ۶۹۴

۴۔ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی صفحات ۳۶، ۴۵

۵۔فوائد الفواد ۲۶۔۲۷ سیر الاولیاء صفحہ ۲۳۹

۶۔سیر العارفین ۔صفحہ ۱۰۳

۷۔سیر الاولیاء صفحہ ۲۳۹

۸۔فوائد الفواد صفحہ ۱۲۲

۹۔ سیر الاولیاء صفحہ ۵۳۱

۱۰۔ صحیفہ نعت محمدی صفحہ ۱۶

۱۱۔ برنی صفحہ ۹۸

۱۲۔ عبد القادر بدایونی منتخب التواریخ صفحہ ۵۶ جلد سوم

۱۳۔ برنی صفحہ ۴۶۵

۱۴۔ جوامع الکلم۔ صفحات ۱۷۶، ۱۷۵

۱۵۔ ابو الاعلیٰ مودودی خلافت وملوکیت۔ صفحہ ۱۳۱

۱۶۔ نہج البلاغہ: صفحہ ۸۳۰، ۸۲۴

۱۷۔ ایضاً صفحہ ۷۲۶

۱۸۔ معدن المعانی صفحہ ۴۷۱

۱۹۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین۔ اشجار الکمال۔ صفحہ ۴۳۳۔۴۶

۲۰۔ سیر الاولیاء۔ صفحہ ۲۸۸

۲۱۔ برنی۔ صفحہ ۴۷۴

☆☆☆☆☆